پیدا ہوتا ہے وہ اہلِ سعادت کے اس ہی اولین درجہ کے مثل تھا۔ نسمہ کی تہذیب اور روحِ طبعی کے آئینہ کی شفافیت۔ تشویشات اور اضافات حیاتیہ سے آزاد و مطمئن ہوجانے پر پیدا ہوا کرتی تھی اور وہ نزع موت کے یقین اور تمنائیں دفن ہوجانے سے پیدا ہوگئی۔ نتیجہ وہ ہی کشف و یقین ہونا چاہیے تھا جو خطیرۂ قدس سے عنصری جذب و کشش رکھتا ہو۔ بس یہ ہی وہ حقیقت ہے جو موت پر جذبِ روحانی کی تخلیق کرتی ہے مگر کسی منظر کو سامنے نہیں لاتی اور یہ ہی وہ اعترافِ حقیقت تھا جسے دنیا کی دلچسپیوں میں ایک مرتبہ پہلے بھی فراموش کیا جا چکا ہے۔ اگر نزع کی کشمکش کو دوبارہ زندگی میں تبدیل کردیا جائے تو زندگی کی مقناطیسی جاذبیت اس کی توجہات کو پھر حقیقت سے ہٹا کر فریب و مغالطہ کی ٹھوکروں میں ڈال دے گی اور جو وعدہ اس نے نزع کی حالت میں کیا تھا وفا نہ ہوسکیگا۔ زندگی کی دلچسپیاں انسانی دل و دماغ کو ماؤف کرنے کی اس قدر طاقت رکھتی ہیں کہ کوئی یقین ان کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔ ہم جانتے ہیں کہ داد عیش دینے سے صحت خراب ہوکر زندگی موت سے بدتر ہوجاتی ہے مگر فردوسِ گوش اور جنت نگاہ میں پہنچتے ہی ہم از خود رفتہ ہوجاتے اور ہر حقیقت کو ٹھکرا کر دادِ عیش دینے لگتے ہیں کیوں؟ اس لئے نہیں کہ یقینی نتیجہ کا کوئی عمیق ترین اعتقاد بھی ہمارے جذبات میں زندہ نہیں بلکہ "نسیہ" کو "نقد" پر ترجیح نہ دینے کا جو مالیخولیا گوناگوں انجذابات نے پیدا کردیا تھا وہ حقیقت کی بجائے فریبِ نظر کو بوسہ دینا ہی پسند کرتا ہے اور یوں وہ تمام یقینات عملی دنیا میں بے معنی ہوکر رہ جاتی ہیں جن کو جمالیاتی موثرات اور نفسیاتی انجذابات کی قیود و بند سے باہر آکر ہم پوری طرح محسوس کرتے اور رنج و تاسف کے عذاب میں مبتلا ہوجاتے ہیں یہ ہی وہ نکتہ ہے جس کا قرآن نے ذکر کیا اور یہ ہی وہ کشف ہے جو موت کے وقت محسوس ہوتا اور زندگی میں فراموش ہوجاتا ہے۔ حقیقت کا منظر نہ سامنے آتا ہے نہ فراموش ہوتا ہے۔

میں سمجھتا ہوں کہ کسی نہ کسی حد تک اس مسئلہ پر جو کچھ عرض کرچکا ہوں وہ کافی ہوگا لیکن اگر کسی علمی تنقید نے مجبور کیا تو دوسرے پہلو بھی روشنی میں لانے کی کوشش کروں گا۔

(باقی دارد)